تورات کے دس احکام
اور
قرآن کے دس احکام

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۴)

لوگ سوچنے اور مقابلہ کر کے پڑھنے کے عادی نہیں ہیں، ورنہ اسرائیلی روایات کے ذخیروں میں اس قسم کی باتیں جو پائی جاتی ہیں مثلاً قرآن کے المسیح اور عہد عتیق میں یسعیاہ نبی کے منسوبہ صحیفہ میں جو دردناک مرثیہ اسرائیلیوں کا اس وقت تک پایا جاتا ہے اس کی ابتداء ہی تقریباً ان الفاظ سے ہوئی ہے۔

"آہ خطاکار گروہ، بدکرداری سے لدی ہوئی قوم، بدکرداروں کی نسل، مکار اولاد، جنہوں نے خداوند کو ترک کیا، اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا اور گمراہ و برگشتہ ہو گئے۔ یسعیاہ باب ۱/۴

اور اسی کے بعد الہامی رنگ کے یہ فقرات اسی کتاب میں ملتے ہیں کہ

"تم کیوں بغاوت کر کے اور مار کھاؤ گے تمام سر بیمار ہے، اور دل بالکل سست ہے تلوے سے لے کر چاندی اس میں کہیں صحت نہیں فقط زخم اور چوٹ اور سڑے ہوئے گھاؤ ہی ہیں جو نہ دبائے گئے نہ باندھے گئے نہ تیل سے نرم کئے گئے ہیں یسعیاہ باب ۱/۶

اور قوم یہود جو آخرت اور عبوری دور کے بعد آئندہ کی دوامی زندگی کے یقین سے محروم ہوتے ہوئے اپنی جبارتوں کی رفتار کو تیز سے تیز تر کرتے ہوئے اس نقطہ تک جیسا کہ عرض کر چکا ہوں پہنچ چکی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوات والسلام کی کتابوں سے بعث بعد الموت (مرنے کے بعد

جی اُٹھنے کے، عقیدے کو اس نے پوچھ کر نکال دیا تھا اور اسی بنیاد پر اسی خاکی زندگی کی چلتی پھرتی چھاؤں ہی کو اس نے اپنی کوششوں کا واحد محور اور اپنی قدرتی توانائیوں کا تنہا مرکز ٹھہرا چکی تھی وہ سب کچھ زیست کے اسی قلیل وقفہ میں حاصل کرنا چاہتی تھی لازمی نتیجہ اس کا جیسا کہ ہونا چاہئے تھا یہی ہو کر رہا کہ دنیا تو خیر دنیا ہی تھی ایسی باتیں جن کا تعلق دین سے تھا ان کو بھی اپنے اس جمہوری اور سبت ذہنیت کے زیر اثر خالص دنیاوی کاروبار کے قالب میں اس قوم نے ڈھال دیا تھا ان کے نبیوں کے کلام میں اس قسم کی جھڑکیوں اور پکاروں کا ایک طویل و دراز سلسلہ جو پایا جاتا ہے مثلاً ان ہی یسیاہؑ نبی کے منسوبہ صحیفہ میں ہے اس قوم کو خدا کا مخاطب بنا کر وہی فرماتے تھے۔

"خداوند فرماتا ہے تمہارے ذبیحوں کی کثرت سے مجھے کیا کام؟ میں مینڈھوں کی سوختنی قربانیوں سے اور فربہ بچھڑوں کی چربی سے بے زار ہوں اور بیلوں، بھیڑوں اور بکروں کے خون میں مری خوشنودی نہیں

آگے اسی کے بعد ہے

"آئندہ کو تم جھوٹے باطل ہدیے نہ لانا بخور سے مجھے نفرت ہے نئے چاند اور سبت کی اور عید کی جماعت سے بھی"

حالانکہ ظاہر ہے کہ قربانی اور سبت یا عید وغیرہ ساری چیزوں کا تعلق دین سے تھا مگر اسرائیل کا خدا اس قوم کے سارے دینی کاروبار سے بے زار تھا کیوں بے زار تھا؟ مذکورہ بالا فقروں کے بعد ہی اس کا جواب دیا گیا ہے کہ۔

"کیونکہ مجھ میں بدکرداری کے ساتھ عید کی برداشت نہیں مرے دل کو تمہارے نئے چاندوں اور تمہاری مقررہ عیدوں سے نفرت ہے"

اسرائیل کے خداوند خدا نے فرمایا کہ وہ (یعنی یہ سارے مذہبی رسوم)

"مجھ پر بار ہیں میں ان کو برداشت نہیں کر سکتا" باب ۱

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجائے عبادت کے بنی اسرائیل کے دلوں میں عبادت گاہوں اور ان کی اینٹ اور چونے کا زیادہ احترام تھا وہ اس کو تو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ غیر قوم کا آدمی

ان عبادت گاہوں کے سامنے کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو جس میں یہودیوں کے نزدیک تحقیر کا پہلو محسوس ہوتا تھا لیکن جن عبادتوں کے لئے پتھر اور گچ کے مکانات تعمیر کئے گئے تھے ان کو وہ خود پامال کرتے تھے اور پامال کرنے والوں سے ان کے دلوں میں کسی قسم کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی تھی

"یہ نہ کہتے جاؤ، کہ یہ ہے خداوند کی ہیکل، خداوند کی ہیکل، خداوند کی ہیکل۔

اس منفی حکم کے یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں یہودیوں سے یہ مثبت مطالبات جو کئے گئے ہیں کہ

اگر تم اپنی روشیں اور اپنے اعمال سراسر درست کرو

اگر ہر آدمی اور اس کے ہمسائے میں پورا انصاف کرو

اگر پردیسی اور یتیم، بیوہ پر ظلم نہ کرو اور اس مکان (ہیکل) میں بے گناہ کا خون نہ بہاؤ" یرمیاہ ۵-۶

یا اسرائیلی نبیوں میں میکاہ کی کتاب میں جو یہ فقرے آج تک ملتے ہیں یعنی یہ اعلان کرتے ہوئے

کہ خداوند کی صداقت سے واقف ہو جاؤ

پھر اس سوال کا جواب یعنی دلوں میں اگر سوال پیدا ہو کہ

"میں خداوند کے حضور کیا لے کر آؤں اور خدا کو کیسے پوجوں"

پھر خود ہی پوچھا ہے کہ

"کیا سوختنی قربانیوں اور ایک سالہ بچھڑوں کو لے کر اس کے حضور آؤں؟

"کیا خداوند ہزاروں، مینڈھوں سے یا تیل کی دس ہزار نہروں سے خوش ہوگا؟

اسی قسم کی باتوں کے بعد آخر میں جواب دیا گیا ہے کہ

"اے انسان! اس نے تجھ پر نیکی ظاہر کر دی ہے خداوند تجھ سے اس کے سوا اور کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرے، اور رحم دلی کو عزیز رکھے، اور خدا کے حضور فروتنی سے چلے (یرمیاہ ۶/۸)

مطلب وہی ہے کہ دین کی حقیقی روح سے اسرائیل کی اولاد محروم ہو چکی تھی اور ایک کھوکھلے قالب کی شکل میں دین نہیں باقی رہ گیا تھا جس کو بجائے سچی نیکیوں اور صحیح اعمال کے صرف دنیاوی

برتری کے اظہار کا ذریعہ بنا رکھا تھا وہ آپس میں اس پر فخر کرتے تھے کہ قربانی میں زیادہ قیمتی زیادہ فربہ مینڈھے کس نے پیش کئے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عاموس کی زبان سے ان کو جتلایا گیا تھا خدا کی طرف سے ان کو سنایا جاتا تھا کہ

"تم نے عدالت کو اندرائن، اور ثمرۂ صداقت کو ناگ دونا بنا رکھا ہے تم بے حقیقت چیزوں پر فخر کرتے ہو (عاموس ۱/۱۳)

تماشا یہ تھا کہ اسرائیلیوں کا بھی دین جو دراصل بدترین قسم کی دنیاداری کی ایک گھنونی شکل تھی اپنے اسی دین کی بنیاد پر خدا کی غیبی دستگیریوں کی بھی امیدیں باندھا کرتے تھے یسعیاہ نبی کے منسوبہ صحیفہ میں خداوند خدا کی طرف سے ان تک پہنچایا گیا تھا کہ

وہ (یعنی قوم یہود) میرے طالب ہیں اور اس قوم کے مانند جس نے صداقت کے کام کئے اور اپنے خدا کے احکام کو ترک نہ کیا مری راہوں کو دریافت کرنا چاہتے ہیں وہ مجھ سے صداقت کے احکام طلب کرتے ہیں وہ خدا کی نزدیکی چاہتے ہیں

مطلب جس کا یہی تھا کہ اپنے واقعی سچے راستباز دیندار بندوں کی خدا مدد کرتا ہے یہودی بھی چاہتے تھے کہ اپنے جھوٹے دین کو پیش کرکے خدا کی سچی نگہبانی کا فائدہ حاصل کریں اسی کے بعد آگے اسی کتاب میں مثال دے کر بات سمجھائی گئی ہے کہ

"وہ یہود سے کہتے ہیں کہ ہم نے روزے کس لئے رکھے جب کہ تو نظر نہیں کرتا اور ہم نے کیوں اپنی جان کو دکھ دیا جب کہ تو خیال میں نہیں لاتا"

جواب دیا گیا ہے۔

"دیکھو! تم روزے کے دن میں اپنی مرضی اور خوشی کے طالب رہتے ہو اور سب طرح کی سخت محنت لوگوں سے کراتے ہو، دیکھو تم اس مقصد سے روزے رکھتے ہو کہ جھگڑا رگڑا کرو اور شرارت کے مکے مارو (باب ۵۸)

انھوں نے ایسی باتوں کو جو دین میں اہم تھیں ان ہی کو غیر اہم بنا دیا اور جن کی چنداں اہمیت نہ تھی لیکن فخر و مباہات کے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بن سکتی تھیں ان کو یہود نے غیر معمولی دینی اہمیت

دے رکھی تھی یہی سوختنی قربانی اور ذبیحے جو آخر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا سارا دین ان ہی میں منحصر ہو کر رہ گیا تھا یرمیاہ نبی کی کتاب میں یہ اطلاع دیتے ہوئے کہ

"جس وقت میں تمہارے باپ دادا کو ملک مصر سے نکال لایا ان کو سوختنی قربانی اور ذبیحہ کی بابت کچھ نہیں کہا اور حکم نہیں دیا بلکہ میں نے ان کو حکم دیا اور فرمایا کہ مری باتیں سنو اور مری آواز کے شنوا ہو اور میں تمہارا خدا ہوں گا اور تم میرے لوگ ہوگے اور جس راہ کی میں تم کو ہدایت کروں اس پر چلو تاکہ تمہارا بھلا ہو"

مگر یہود نے بجائے اس کے کیا تو یہ کیا جیسا کہ یرمیاہ نبی کی کتاب میں ہے۔

"لیکن انھوں نے نہ سنا نہ کان لگایا، بلکہ اپنی مصلحتوں اور اپنے برے دل کی سختی پر چلے اور آگے نہ بڑھے"

یہود کے اسی طرز عمل پر خداوند خدا کا یہ عتابی حکم یرمیاہ نے سنایا کہ

"کہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ اپنے ذبیحوں پر اور اپنی سوختنی قربانیاں بھی بڑھاؤ اور گوشت کھاؤ۔"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنی مالی برتری کو نمایاں کرنے کے لئے قربانیوں پر قربانیوں کا وہ اضافہ کرتے چلے جاتے تھے اور خداوند خدا کے قرب و نزدیکی سے زیادہ دین کے نام سے ذبح ہونے والے جانوروں کے ذبح کرنے اور سوختنی قربانی چڑھانے کی غرض یہ تھی کہ وہ گوشت اور چربی سے اپنے کام و دہن کو لذت بخشیں،

بنی اسرائیل کے ان ہی پرانے صحیفوں کی گواہیوں سے ثابت ہے کہ مذکورہ بالا حال عوام ہی کا نہیں تھا بلکہ قوم کے سرداروں اور حاکموں تک پر بھی یہی دورہ پڑا ہوا تھا وہ عدالت کے کمروں میں انصاف کرنے کے لئے داخل ہوتے تھے لیکن بجائے ادعار نفع کے نقد کا سوال اور آخرت کے مقابلہ عاجل (زود رساں فوائد) کا سوال سامنے آجاتا تھا تو جیسا کہ میکاہ کے صحیفہ میں ہے خداوند خدا کے نام سے یہود کو کہا گیا کہ

"اے بنی یعقوب کے سردارو، اور اے بنی اسرائیل کے حاکمو، جو عدالت سے عداوت رکھتے ہو اور ساری راستی کو مروڑتے ہو۔"

اسی کے بعد ان ہی اسرائیلی حکام کی طرف اسی کتاب میں منسوب کیا گیا ہے کہ

"اس کے سردار رشوت لے کر عدالت کرتے ہیں"

اور یہی حال مذہبی پیشواؤں اور دین کے پیشہ ور رہنماؤں کا بھی تھا یرمیاہ کی کتاب میں ایک بڑا طویل بیان ہے جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ

"رب الافواج فرماتا ہے تو (یرمیاہ) ان سے (بنی اسرائیل) سے کہہ دے کہ لوگ گر کر پھر کیا نہیں اٹھتے؟ کیا کوئی بھٹکا ہوا واپس نہیں ہوتا پھر یروشلم کے یہ لوگ کیوں ہمیشہ کی برگشتگی پر اڑے ہیں وہ مکر سے لپٹے رہتے ہیں اور واپس آنے سے انکار کرتے ہیں" باب یرمیاہ

آگے ان ہی کی یہ عادت بتائی گئی ہے کہ

"کسی نے اپنی برائی سے توبہ کر کے نہیں کہا کہ میں نے کیا کیا؟ ہر ایک اپنی راہ کو پھرتا ہے جس طرح گھوڑا لڑائی میں سرپٹ دوڑتا ہے"

جن راہوں پر وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے اسی صحیفہ میں ہے کہ خداوند خدا فرماتا ہے

"میں نے ان کو سیر کیا تو انھوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کے مانند ہو گئے، ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا (یرمیاہ $\frac{5}{9}$)

اور یہ کہتے ہوئے

"ہوائی لق لق اپنے مقررہ وقتوں کو جانتا ہے اور قمری اور ابابیل اور کلنگ اپنے آنے کا وقت پہچان لیتے ہیں لیکن میرے لوگ خداوند کے احکام کو نہیں پہچانتے۔

علماء یہود کی یہ شکایت کی گئی ہے کہ

"تم کیوں کر کہتے ہو کہ ہم دانش مند ہیں اور خدائی شریعت ہمارے پاس ہے لیکن دیکھ! لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے، دانش مند شرمندہ ہوتے ہیں وہ حیران ہوئے اور پکڑے گئے

دیکھو! انھوں نے خداوند کے کلام کو رد کیا ان میں کیسی دانائی ہے؟ (یرمیاہ ۸:۹)

اسی طرح یہود کے ان ہی مذہبی راہ نماؤں کے متعلق میکاہ کے صحیفہ میں ہے

"اس کے کاہن اُجرت لے کر تعلیم دیتے ہیں۔ اور اس کے نبی روپیہ لے کر فال گیری کرتے ہیں۔" (۳:۱۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ارباب مجاہدہ و مکاشفہ کے متعلق "نبی" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، بجائے مکاشفہ کے وہ "فال گیر" اور "جوتشی" بن گئے تھے اور جیسا کہ حزقیل کی کتاب میں بار بار اطلاع دی گئی ہے حزقیل سے کہلایا گیا،

"خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں ان کے خلاف نبوت کر اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرے ان سے کہہ کر خداوند کا کلام سنو! خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس ہے جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں اور انھوں نے کچھ نہیں دیکھا (۱۳:۳)

آگے چند سطروں کے بعد اسرائیل کے ان ہی کاذب نبیوں کے متعلق ہے

"انھوں نے باطل اور جھوٹا شگون دیکھا جو کہتے ہیں کہ خداوند فرماتے ہیں اگرچہ خداوند نے ان کو نہیں بھیجا اور لوگوں کو امید دلاتے ہیں کہ ان کی بات پوری ہو جائے گی۔

پھر پوچھا گیا ہے کہ

"کیا تم نے باطل رویا نہیں دیکھی، کیا تم نے جھوٹی غیب دانی نہیں کی کیونکہ تم کہتے ہو کہ خداوند نے فرمایا ہے ما گرچہ میں نے نہیں فرمایا اس لئے خداوند یوں فرماتا ہے کہ چونکہ تم نے جھوٹ کہا ہے اور بطلان دیکھا

آگے ہے

"انھوں نے مرے لوگوں کو یہ کہہ کر ورغلایا ہے کہ سلامتی ہے حالانکہ سلامتی نہیں:

مگر بایں ہمہ یہود کے عوام و خواص سب ہی اس غلط بھروسے پر جیتے تھے جس کا ذکر میکاہ کے صحیفہ میں بایں الفاظ کہا گیا ہے کہ

"تو بھی وہ خداوند پر تکیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا خداوند ہمارے درمیان نہیں پس ہم پر کوئی بلا نہ آئے گی (میکاہ ۳:۱۱)

اسی بے بنیاد بھروسہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عاموس کی کتاب میں کہا گیا ہے

" تم جو برے دن کا خیال ملتوی کر کے ، ظلم کی کرسی نزدیک کرتے ہو، جو ہاتھی دانت کے پلنگ پر لیٹتے ہو اور چارپائیوں پر دراز ہوتے ہو اور گلوں میں سے برّوں کو اور طویلہ میں سے بچھڑوں کو لے کر کھاتے ہو اور رباب کی آواز کے ساتھ گاتے اور اپنے لئے داؤد کی طرح موسیقی کے ساز ایجاد کرتے ہو اور پیالوں میں سے مے پیتے اور اپنے بدن پر بہترین عطر ملتے ہو۔"[1]

خلاصہ یہ ہے کہ جن کو حکم دیا گیا تھا کہ دنیا کو بھی دین بنا کر زندگی گذاریں انتہا اس اصرار کی یہ تھی بیوی کے ساتھ ہم بستری کو بھی دین کے آخری پیغام میں صدقہ اور نیکی ٹھیراتے ہوئے سمجھایا گیا ہے کہ اسی خواہش کو غیر قانونی ذریعہ سے پوری کرنے والے اگر گنہ گار ہوتے ہیں تو قانونی ذریعہ سے جنسی خواہش کی تکمیل میں یہ نیت کیوں نہ کر لی جائے کہ ہم خدا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں نمک بھی آٹے میں گھٹ جائے تو خدا سے مانگو اور جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا ہی سے اس کے جوڑنے میں امداد طلب کرو مذہب کے ان احکام کا مطلب یہی تو ہے کہ دنیا کی معمولی معمولی ضرورتوں کی راہ سے بھی آدمی چاہے تو دین کے مقصد کی تکمیل میں یعنی خالق کائنات کو الہ بنا کر اپنی عبدیت اور بندگی کو ظاہر کر سکتا ہے لیکن یہود نے دین کی ایک ایک بات کو اس کے بالکل برعکس دنیا بنا لیا تھا

فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفر لنا وان یاتھم عرض مثلہ یاخذوہ (الاعراف)

پھر جانشین ہوتے اپنے اگلوں کے پیچھے وارث ہوتے الکتاب (تورات) کے چولے لیتے ہیں ہر پیش آنے والی آمدنی اس پست زندگی کی اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں بخش دیا جائے گا اور جب پیش آجاتی ہے اس قسم کی آمدنی تو

---

[1] اس موقعہ پر عاموس کی کتاب میں یہ بھی اطلاع دی گئی ہے کہ جس علاقہ میں اسرائیل کے قبیلہ یوسف نامی کے لوگ آباد تھے ان پر دشمن چھا گئے تھے اور طرح طرح سے ان کو ستاتے تھے لیکن ان ہی اسرائیلیوں کے جن علاقوں پر دشمن مسلط نہ ہوسکے تھے ان کے رہنے والے رنگ رلیوں میں مصروف تھے اور کہا گیا لیکن یوسف کی شکستہ حالی سے تم غمگین نہیں ہوتے (عاموس باب ۶) اسی بے غیرتی اور بے حمیتی کی سزا کی دھمکی دی گئی اور کہا گیا تھا کہ خداوند خدا نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور خداوند رب الافواج فرماتا ہے کہ میں یعقوب (دشمن سے جو آزاد تھے) کی حشمت سے نفرت رکھتا ہوں اور اس کے قصروں سے مجھے عداوت ہے اس لئے میں شہر کو اس کی ساری معموری سمیت حوالہ کر دوں گا (عاموس باب ۶ آیت ۸)

اسے بھی لے لیتے ہیں

مطلب جس کا یہی ہے کہ مغفرت (عفو) کا دینی قانون جس کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اپنی فطری کمزوریوں کی وجہ سے آدمی اگر کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے تو مایوس نہ ہو اور پھسلنے کے بعد سنبھلنے کی راہ اس کے لئے کھلی ہے لیکن یہود نے مغفرت کے اسی دینی قانون کو گناہوں پر اصرار کرنے کا اور بغاوت و سرکشی پر ڈٹے رہنے کا ذریعہ بنا لیا۔ تورات کے ان ہی وارثوں کو فقیہو اور فریسیو! کے الفاظ سے مخاطب بناتے ہوئے متی کی انجیل میں مسیح علیہ السلام کی طرف جو اس قسم کے خطرات منسوب کئے گئے ہیں کہ "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! اے اندھے راہ بتانے والو! جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹوں کو نگلتے ہو یا لوقا کی انجیل میں ان ہی کے متعلق کہا گیا تھا کہ فقیہوں سے خبردار رہنا جو لمبے جامے پہن کر پھرنے کا شوق رکھتے ہیں اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اونچی کرسیوں اور ضیافتوں میں صدر نشینی پسند کرتے ہیں وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نمازوں کو طول دیتے ہیں" [۲۰، ۴۷]

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب بھی وہی ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے

اور وجہ اس کی وہی تھی کہ سب کچھ وہ اسی زندگی میں پانا چاہتے تھے ان میں اس کی صلاحیت ہی باقی نہ رہی تھی کہ مستقبل کا خیال کر کے حال کی کسی ہونے والی لذت سے دست بردار ہو جائیں ان کی اسی زود طلبی اور عجلت پسندی کا ذکر کرتے ہوئے یسعیاہ کی کتاب میں سنایا گیا تھا کہ

"ان پر افسوس ہے جو بطالت کی طنابوں سے بدکرداری کو اور گویا گاڑی کے رسوں سے گناہ کو کھینچ لاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کا خدا) جلدی کرے اور پھرتی سے اپنا کام کرے کہ ہم دیکھیں اور اسرائیل کی مشورت نزدیک ہو اور آن پہنچے تاکہ ہم اسے (خداوند خدا کو) جانیں" [۵:۱۸]

آگے اسی کے بعد مسلسل اسی قسم کے فقرات اس کتاب میں یکے بعد دیگرے پائے جاتے ہیں کہ

"ان پر افسوس جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی کہتے ہیں اور نور کی جگہ تاریکی اور تاریکی کی جگہ نور کو دیتے ہیں اور شیرینی کے بدلے تلخی اور تلخی کے بدلے شیرینی رکھتے ہیں۔

"ان پر افسوس جو اپنی نظر میں دانش مند اور اپنی نگاہ میں صاحب امتیاز ہیں۔

"ان پر افسوس جو مے پینے میں زور دار اور شراب پلانے میں پہلوان ہیں جو رشوت لے کر شریروں کو صادق اور صادقوں کو ناراست ٹھہراتے ہیں" (باب ۵ آیۃ ۲۲)

اور میں کہاں تک ان چیزوں کو نقل کرتا چلا جاؤں سرسری طور پر ادھر ادھر سے بغیر کسی کد و کاوش کے قوم یہود یا بنی اسرائیل کی دینی حالت اور اخلاقی انحطاط کا جو نقشہ مذکورہ بالا اقتباسات سے پڑھنے والوں کے دماغ میں تیار ہو سکتا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اب سوچئے کہ اپنے دس احکام کو سپرد کرتے ہوئے اور ان احکام کے آغاز سے پہلے بالکل اسی سے متصل قرآن میں یہ کیوں فرمایا گیا ہے کہ

"اور جو مراد بنا لیتا ہے اسی عاجلہ (جلد پیش آنے والی زندگی کو) جلد ہی عطا کر دیتے ہیں اس کے لئے اسی زندگی میں جتنا ہم چاہیں جسے چاہیں۔

"یعنی من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید کے قرآنی الفاظ کا جو خلاصہ و ترجمہ ہے اس کے سوا اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ تورات کے دس احکام کی لینے والی قوم نے اپنے دین کو دنیا اور لآخرہ کے لئے جو دین تھا اس کو صرف العاجلہ کی آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ قرآن چاہتا ہے کہ اس عارضہ سے اس امت کو چونکا دے جسے اپنے دس احکام وہ سپرد کر رہا تھا اسی کے بعد صاف صاف لفظوں میں اس نے اعلان کر دیا کہ العاجلہ ہی کو مقصود اور اپنے وجود کا نصب العین بنانے والوں کو مطلع کر دیا جائے کہ

"پھر ان لوگوں کے لئے بنا رکھا ہے ہم نے جہنم جس میں داخل ہوگا وہ مذمت کیا ہوا، اور دھتکارا ہوا"

جو قرآنی الفاظ ثم جعلنا لهم جهنم یصلاها مذموما مدحورا کا حاصل اور ترجمہ ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ انسانی توانائیاں جن سے آخرت کی ابدی زندگی کی تعمیر کا کام لیا جا سکتا ہے لیکن بجائے اس کے چیونٹی پر قدرتی توانائیوں کے توپ خانے کو جس نے چلا دیا ظاہر ہے کہ بجز مذمت اور ملامت کے اس قسم کا احمق آدمی اور کس بات کا مستحق ہو سکتا ہے اور چونکہ پیدا کرنے والے کے مقرر کردہ نصب العین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی زندگی اس نے پوری کی

اس نے پیدا کرنے والے کے دربار سے اگر وہ دھتکارا اور ڈر دریا جائے تو جو کچھ اس نے کیا اس کا انجام خود سوچئے کہ اس شخص کے سامنے اور کس شکل میں آ سکتا ہے۔

اس مذموم و مدحور زندگی کے مقابلہ میں اسی کے بعد صحیح نتیجہ خیز زندگی کا اصول یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی میں جو قدم بھی اٹھایا جائے یہ طے کر کے اٹھایا جائے کہ اس کے اگلے قدم کا پچھلے قدم یا حال کے عمل کا مستقبل پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور اسی علم کے مطابق اپنی عملی زندگی کو چاہئے کہ منظم کیا جائے ایسی صورت میں بجائے العاجلہ یا زندگی کے موجودہ عبوری دور کے زندگی اور اس کی توانائیوں کا رخ الاخرۃ کی طرف ہو جاتا ہے اور انسانی وجود جن قدرتی توانائیوں کے ساتھ پیدا ہوتا ہے قرآن نے اطلاع دی ہے کہ یہی ان کا صحیح مصرف ہے اور اس نصب العین کی تکمیل کی واقعی راہ یہی ہے جس کے لئے پیدا کرنے والے نے آدمی کو پیدا کیا ہے؛

لیکن ظاہر ہے کہ موجودہ زندگی کے کس عمل کا آنے والی آخرت کی زندگی میں کیا نتیجہ نکلتا ہے یا نکل سکتا ہے یہ کوئی معمولی سوال نہیں ہے اس کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے اور اسی علم صحیح کے لئے ایمان کی راہ رکھی گئی ہے یعنی خود خالق کائنات سے علم پا کر جو لوگ نبوت و رسالت کے ساتھ اپنے عہد میں تشریف لائے ان کو مان کر اور ان پر ایمان لا کر ان کے عطا کئے ہوئے علم کی راہنمائی قبول کر لی جائے یہی مطلب ہے ان قرآنی الفاظ کا کہ

ومن اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا	اور جس نے مراد بنا لیا الاخرۃ کو اور اس کے لئے جو کوشش ہونی چاہئے وہی کوشش اس نے کی بشرطیکہ وہ مومن
وھو مومن فاولئک کان سعیھم	ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کی کوشش سراہی گئی اور ستائش
مشکورا	کی مستحق ہے۔

وھو مومن (اور وہ مومن ہے) اس کا مطلب وہی ہے جو میں نے عرض کیا ورنہ پیغمبروں پر ایمان لائے بغیر جو صرف اٹکل سے فیصلہ کرتے ہوئے یہ سوچ لیتے ہیں کہ فلاں عمل کا نتیجہ آخرت میں یہ ہو گا صاف لفظوں میں یوں کہئے کہ فلاں عمل سے خدا خوش ہوتا ہے یا ناخوش ہوتا ہے بجز دماغی کھجا دینے کے اس

قسم کے فیصلے اور بھی کچھ ہیں بلا شبہ انسانی فطرت میں ضمیر کا عنصر بھی ودیعت کیا گیا ہے لیکن علم اور فیصلہ کا یہ ایک ایسا دھندلا ذریعہ ہے کہ آسانی ضمیر کی بینائی نابینائی بن جاتی ہے ہاں! نبوت و رسالت کو عملی ذریعہ بنانے کی مہم میں ضمیر کی قوت سے آدمی چاہے تو گونہ مدد حاصل کر سکتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خدا کی مرضی سے واقف ہوئے بغیر یہ فیصلہ کہ فلاں عمل سے خدا خوش یا ناخوش ہوتا ہے اگر سوچا جائے تو خدا پر افترا کی یہ ایک شکل ہے اور اپنے اس دماغی فیصلہ کے تحت زندگی گذارنے والوں کو کم از کم خدا سے شاباشی اور اجر کی توقع نہ رکھنی چاہئے اس لئے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کیا اپنے دماغی فیصلہ کے مطابق کیا پھر ان کو معاوضہ بھی خدا سے نہیں خود اپنے آپ سے مانگنا چاہئے؛ الغرض "سعی کی مشکوریت" کو قرآن نے مومن کی قید کے ساتھ جو مقید کیا ہے جس طرح بھی سوچئے آپ کو بھی یہی ماننا پڑے گا۔

آگے صرف دو آیتیں اور رہ گئی ہیں، جن کے بعد قرآن کے احکامِ عشرہ کا بیان شروع ہو جاتا ہے ان دونوں آیتوں کو سمجھنے کے لئے پھر میں یہودی دین کی خصوصیتوں کی طرف توجہ کرانا چاہئے عرض کر چکا ہوں کہ اپنے دین کو یہود نے صرف دنیا اور دنیاوی کامیابیوں اور برتریوں کا ذریعہ بنا لیا تھا حالانکہ وہ صرف دنیا دار اور عاجلہ پرست ہو چکے تھے وہ سب کچھ زندگی کی اسی چلتی پھرتی چھاؤں ہی میں پانا چاہتے تھے لیکن بایں ہمہ یہ بھی باور کئے جاتے تھے کہ ان کی قوم ایک خالص دیندار نہیں ہے اور بھی غلط دین جو درحقیقت صرف دنیا تھا اسی کے بھروسے پر خدائی امداد کی امیدواریوں سے بھی وہ کبھی نہیں نکلتے تھے، میکاہ کے صحیفہ کا فقرہ

"تو بھی وہ خداوند پر تکیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا خداوند ہمارے درمیان نہیں بس ہم پر کوئی بلا نہ آئے گی

ان کے صوفیا اور ارباب مکاشفہ ہمیشہ اسی بنیاد پر سلامتی کے جھوٹے خواب اور رویا دیکھا کرتے تھے آپ پڑھ چکے کہ اپنی جھوٹی نمازیں اور جھوٹے روزوں کو سوچ سوچ کر وہ خدا پر بھی کبھی جھنجھلا جاتے اور کہتے کہ

"ہم نے روزے کس لئے رکھے جبکہ تو نظر نہیں کرتا ہم نے کیوں اپنی جان کو دکھ دیا، جبکہ تو

خیال میں نہیں لاتا۔

اور جب کوئی بات ان کے حسب مراد ظاہر ہوتی تو اس کو فوراً اپنی دینداری اور بندۂ خدا موسیٰ کی دی ہوئی برکت کا نتیجہ خیال کرتے لعنت کے متعلق جیسے یہود کی غلط فہمیوں کا قرآن کے دس احکام والی اس سورہ میں ازالہ کیا گیا ہے میرا خیال ہے کہ اسی طرح جن خوش فہمیوں میں برکت کے متعلق یہود مبتلا تھے ان ہی کو قرآن اپنے اس اعلان سے صاف کرنا چاہتا ہے کہ زندگی کے موجودہ عبوری دور کی کسی کامیابی کو اپنی دینی زندگی کی صحت کی دلیل ٹھہرالینا، مذہبی اقوام کا شدید دماغی مغالطہ ہے اس لئے کہ زندگی کے موجودہ عبوری دور میں تو قدرت کی امداد سے کوئی محروم نہیں ہے جنہوں نے عاجلہ کی اس فانی زندگی ہی کو اپنی جد و جہد کا واحد نصب العین بنالیا ہے یہ تو نہیں ہوتا کہ ان میں ہر ایک جو کچھ چاہتا ہے سب کو سب کچھ دے دیا جاتا ہے، لیکن محض اس لئے کہ بجائے آخرت کے اس عاجلہ میں وہ جمٹ گیا کبھی نہیں دیکھا کہ اپنی ہر نعمت سے قدرت نے اس کو محروم کر دیا ہو بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ خالص سچی دینی زندگی رکھنے والے ہوں یا بدترین قسم کا تنگ چشم، پست ہمت، دنی الطبع، دنیا دار ہو ہر ایک کو وجود بھی عطا ہوتا ہے وجود کے لوازم سے بھی وہ سرفراز ہوتے ہیں ان کو بھی آنکھیں بخشی جاتی ہیں۔ کان دئے جاتے ہیں: جیسے دینداروں کو کھانا ملتا ہے پانی عطا ہوتا ہے دنیا دار بھی اس سے محروم نہیں کئے جاتے بلکہ بسا اوقات یہی دیکھا گیا ہے کہ دنیا داروں کو زندگی کی ان فانی گھڑیوں میں بظاہر اتنا کچھ دے دیا جاتا ہے کہ دینداروں کو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا قرآن میں مختلف طریقے سے مختلف آیتوں میں ان کا ذکر ہے لیکن یہاں چونکہ یہود کی اس خوش فہمی کا یعنی اپنی ہر کامیابی کو وہ اپنی غلط دینی زندگی کا نتیجہ ٹھہرا لینے کے عادی تھے اس خوش فہمی کے ازالہ کے لئے اس مشاہدے پر متنبہ کیا گیا ہے

کلا نمد ھولاء وھولاء من عطاء ربک
وماکان عطاء ربک محظورا

ہر ایک کو ہم امداد پہونچاتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی اور تیرے رب کی داد و دہش کسی پر زندگی کے موجود دور میں رکی نہیں ہوئی ہے۔

(باقی آئندہ)